رسوا کی ناول نگاری کا نفسیاتی تناظر

ڈاکٹر عارف صدیق

گورنمنٹ ہائی سکول، حیدر آباد ٹاؤن، سرگودھا

پروفیسر ڈاکٹر فیاض احمد فیضی

وائس پرنسپل گورنمنٹ گریجویٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

Abstract:

Literature and Psychology are closely related. The inner feelings and Psychology of the characters influence their behavior. When a Novelist is adapting various political and social events in a novel, the psychological study of his characters proves helpful in understanding the Novel. An effort has been made through this article to understand the inner feelings of Mirza Hadi Ruswa's characters while highlighting the psychological aspects of his novels.

Key Words: Psychic regions, Psychiatric disorders, Psycho narration, Interior Monologue, Inner feelings

کلیدی الفاظ: نفسیاتی منطقے، نفسیاتی الجھنیں، نفسیاتی بیانیہ، داخلی خود کلامی، داخلی احساسات

نظامِ فکر میں فرائیڈ کے ایڈی پس کمپلیکس (Oedipus Complex) نے جو چراغ روشن کیے، ان کی روشنی آگے چل کر ادبی تخلیقات کی نفسیاتی تفہیم کا اہم وسیلہ بنی۔ اس نظریے کے تحت اس نے فکری نظام کو محبت اور نفرت کے تناظر میں واضح کرتے ہوئے ان الجھنوں اور مسائل سے بھی آگاہی دلائی جو ان جذبات کے دوران پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرائیڈ نے جس طرح تحلیل نفسی کے ذریعے مذہب، تمدن، آرٹ اور اخلاقیات کے موضوعات کی وضاحت کی اس نے آگے چل کر مختلف الجھنوں کے شعوری ادراک کی راہ ہموار کی۔ فرائیڈ کی تفہیم کرنے والوں نے تحلیل نفسی اور دیگر نفسیاتی امور کو فرائیڈ کے تناظر میں بڑی صراحت سے واضح کیا ہے۔ تحلیل نفسی جو فرائیڈ

کے نظام فکر کا اہم جزو ہے، اس میں الجھنوں اور مسائل کے تدارک کے ساتھ ساتھ بعض اوقات خواہشات کا ارتفاع بھی سامنے آتا ہے۔ اِسّر (۱) اس ضمن میں فرائیڈ کے نظام فکر کی تفہیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرائیڈ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دبی ہوئی خواہشوں کا کبھی کبھی ارتفاع ہو جاتا ہے، وہ کسی ایسے مقصد کی طرف جھک جاتی ہیں جو سماجی اعتقادات کے مطابق ہونے کے باعث ارفع سمجھا جاتا ہے۔ ادب اور فن اسی ارتفاع کا ایک ذریعہ ہے۔"

ایڈی پس کمپلیکس اور تحلیل نفسی کے علاوہ فرائیڈ کے نظام فکر کی ایک اہم جہت طفلی جنسیات(Infantile Sexuality) کے حوالے سے بھی سامنے آتی ہے۔ طفلی جنسیات جنسیاتی ارتقا کو موضوع بناتی ہے۔ خواب فرائیڈ کے مطالعہ اور نظامِ فکر کا اہم موضوع بن کر ابھرے۔ فرائیڈ کی وہ کاوش جو خوابوں کے ذریعے انسانی عمل کے ادراک کے لیے کی گئی، تخلیقی عمل پر بھی اثر انداز ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ تخلیقی عمل کی تفہیم اس کاوش کے ذریعے سہل ہوتی چلی جاتی ہے۔ خوابوں کے حوالے سے فرائڈ کے یہ تصورات کہ انسان کی وہ خواہشات اور امنگیں جو ناآسودہ رہ جاتی ہیں وہ خوابوں کے ذریعے مختلف علامتوں کا روپ دھار کر سامنے آتی ہیں اور آگے جب کوئی تخلیق کار تخلیقی عمل کی طرف بڑھتا ہے تو یہی ناآسودہ خواہشات ادبی تخلیقات میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اگرچہ فرائیڈ نے انسان کی ناآسودہ امنگوں اور خواہشات کو تخلیقی عمل کا محرک قرار دیا ہے لیکن ادبی تخلیق کا سماجی تناظر بہت مضبوط ہوتا ہے۔ کوئی بھی ادبی تخلیق سماج سے کٹ کر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ فرائیڈ کے کے اس سماجی تناظر کے بارے میں اظہر (۲) لکھتے ہیں:

"فرائیڈ کی سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ اس نے فرد کی ناآسودہ خواہشات کا رشتہ معاشرتی حدود سے نہیں جوڑا۔ اس لیے اس کی فکر سماجی تقاضوں سے انحراف کی راہ سکھاتی ہے۔ فرد اور سماج دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قربان کر دینا، یہ ایسی بنیادی لغزش ہے جسے قانون فطرت کبھی معاف نہیں کرتا۔"

بہر حال فرائیڈ کے نظامِ فکر نے ادبی تخلیق کو نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ ادب اور نفسیات کے تعلق کو فرائیڈ کے نظامِ فکر کو نظر انداز کر کے سمجھنا محال ہے۔

فرائیڈ کے ساتھ جس اہم نفسیات دان نے ادبی دنیا میں تہلکہ مچایا وہ ژونگ ہے۔ ژونگ ایک طرف انفرادی لاشعور اور اجتماعی لاشعور کے تصورات کے ذریعے فرائیڈ کے نظریات کی توسیع کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ خوابوں کی

تفہیم میں فرائیڈ سے بہت آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ ژونگ کے نظامِ فکر میں خواب محض جنسی حوالوں تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ ان میں وسعت پیدا کرتے ہوئے داستانوی ادب، مذہب، رسم ورواج اور اساطیری تناظر میں بھی ان کی تفہیم کی طرف بڑھتے ہیں۔ ژونگ نے انفرادی لاشعور کے نظریے کے تحت فرد کی ذاتی خواہشات کی تفہیم کی سبیل نکالی تو اجتماعی لاشعور کے نظریے کے تحت فرد کے باطن سے لے کر نوعِ انسانیت کے مشترکہ تجربات اور مشاہدات کو نفسیاتی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک اجتماعی لاشعور ہی دراصل تخلیقی عمل کا محرک ہے۔ اسی کی تحریک سے فلسفیانہ نظریات، ادبی تخلیق پارے اور متنوع تصورات وجود میں آتے اور فروغ پاتے ہیں۔

ادب کی نفسیاتی تفہیم کے حوالے سے فرائیڈ اور ژونگ کے علاوہ تیسرا اہم نفسیات دان ایڈلر ہے۔ ایڈلر کا نفسیاتی مطالعہ خاصی وسعت کا حامل تھا۔ وہ انسان کو سماج کا ایک اہم عنصر سمجھتے ہوئے سماج کو ایک کل کی صورت میں دیکھتا ہے اور سماجی محرکات ہی سے اپنی نفسیاتی فکر کا چراغ روشن کرتا ہے۔ ایڈلر کے جس نظریے نے خاص شہرت پائی وہ احساس کمتری سے نجات کا نظریہ ہے۔ احساس کمتری ایک سماجی مسئلہ ہے۔ ایڈلر بھی اسے سماجی تناظر میں ہی دیکھتا ہے اور اس سے نجات کے حصول کا لائحہ عمل بھی پیش کرتا ہے۔ وہ جسمانی معذوری کو احساس کمتری کا سب سے بڑا محرک سمجھتا ہے۔ وہ اس جسمانی معذوری سے زیادہ اس سے پیدا ہونے والے احساسِ کمتری کو موضوع بحث بناتا ہے۔ اسی تناظر میں وہ جسمانی معذوری کو کم کرنے یا اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے جو طریقے پیش کرتا ہے وہ متنوع ہیں۔ وہ معذور حصے کو بہت زیادہ محنت سے بہتر بنانے، کسی جسمانی حصے کی غیر معمولی نشوونما کرنے، اور ذہنی کیفیت کی نشوونما کرنے کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم نفسیاتی نشوونما ہے۔ جس کی مثال ایڈلر (3) یوں پیش کرتا ہے کہ معذوری کی وجہ سے جسمانی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے سکنے والا بچہ ذہنی اور نفسیاتی محنت سے اچھا دانش ور بن کر اپنا سماجی کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس طرح احساس کمتری جو کہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے، ایڈلر اسے نفسیاتی نشوونما کے ذریعے ہی حل کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔

نفسیاتی حوالے سے ایڈلر کا ایک اہم کارنامہ احساس کمتری یعنی (Inferiority Feelings) اور تعقید کمتری یعنی (Inferiority Complex) میں فرق کو واضح کرنا بھی ہے۔ ایڈلر ان دونوں عوارض کے نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے فرق اور ایک کے دوسرے میں ڈھلنے کے عمل کو واضح کرتا ہے۔ ایڈلر کے نزدیک احساس کمتری کا شکار ہونے والے افراد اپنی ان کمزوریوں اور معذوریوں سے آگاہ ہوتے ہیں، جب کہ تعقید کمتری کے شکار اس آگاہی سے

محروم ہوتے ہیں۔ ایڈلر اس امر کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ احساس کمتری کا شکار فرد اپنے اس احساس کے تحت زندگی گزارتا چلا جاتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے خود کو کم تر سمجھتا ہے جب کہ تعقید کمتری کا شکار فرد خود کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔

ادب اور نفسیات کے تعلق کی تفہیم کی جائے تو گزشتہ ایک صدی کے دوران ادب اور نفسیات کا تعلق بہت مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ وسعت بھی اختیار کرتا چلا گیا ہے۔ فرائیڈ، ژونگ اور ایڈلر کے نظامِ فکر نے ادب کے تخلیقی عمل کو نہ صرف متاثر کیا ہے بلکہ ادبی تخلیقات کی تفہیم میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔

ادبی تخلیقات میں نفسیاتی حوالے سے کردار کی داخلی کیفیات زیادہ تر موضوع بحث بنی ہیں۔ ان داخلی کیفیات کے تحت سرزد ہونے والے اعمال اس کی نفسیاتی تفہیم میں معاونت کرتے ہیں۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کے نام سے ادب میں جو تکنیک برتی اور سمجھی جاتی ہے، وہ انہی داخلی محسوسات اور شخصی اوصاف کا کھوج لگاتی ہے۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کی وضاحت پینگوئن ڈکشنری آف لٹریری ٹرمز (The Penguin Dictionary of Literary Terms...)(۴) میں یوں کی گئی ہے:

"In literature, Psychological Fiction also psychological realism) is a narrative genre that emphasizes interior characterization and motivation toexplore the spiritual,emotional and mental lives of the characters."

اس تعریف کے مطابق نفسیاتی حقیقت نگاری ایک ایسی تکنیک قرار پاتی ہے، جس کے تحت کرداروں کی نفسیاتی، روحانی اور جذباتی زندگی تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور ان جذبات اور نفسیاتی عوامل کی پیش کش کی جاتی ہے۔

دی کیمبرج کمپینئن ٹو دوستوفسکی (The Cambridge Companion to Dostovskii) (5) میں نفسیاتی حقیقت نگاری کی یہ تعریف درج ہے:

"Psychological realism is acheived with deep explorations and explanations of the mental states of the character's inner person,

usually through narrative modes such as Stream of Consciousness and flashbacks."

ان تعریفوں سے نفسیاتی حقیقت نگاری کی تکنیک کردار کو بنیادی اہمیت دیتی ہے۔ اس کے ذریعے کرداروں کے اعمال کی تفہیم اور تعبیر و توضیح کے لیے، ان کے داخلی افکار اور نفسیاتی محرکات پر توجہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ ایک نفسیاتی حقیقت نگار محض کردار کے اعمال کو سامنے نہیں لاتا، بلکہ وہ ان اعمال کی نفسیاتی توجیہہ بھی فراہم کرتا ہے۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کے حامل فکشن عام طور پر بڑی تھیم کے حامل ہوتے ہیں، جس میں فکشن نگار کرداروں کو وسیلہ بناتے ہوئے سیاسی و سماجی امور کو سامنے لاتا ہے۔

ناول کے تناظر میں نفسیاتی حقیقت نگاری کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک ایسی بیانیہ تکنیک قرار پاتی ہے جس میں ناول کے کرداروں کے محسوسات، افکار، خیالات اور جذبات و محرکات بیانیے کے خارجی عمل میں نہ صرف مساوی بلکہ بعض اوقات برتر اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس تکنیک کے تحت کرداروں کی نفسیاتی اور داخلی کیفیات اور ان داخلی کیفیات سے ظہور پانے والا جذباتی ردِ عمل خارجی اعمال میں معنی خیز اہمیت رکھتا ہے۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کی بنیاد ہی کرداروں کی داخلی زندگی پر قائم ہے۔ اس میں کرداروں کی داخلی کیفیات اور محسوسات اور ان کے فکری محرکات کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔

نفسیاتی حقیقت نگاری کی تکنیک کے ساتھ کچھ دیگر ایسی ادبی تکنیکوں کو بھی جوڑا جاتا ہے، جو دراصل نفسیاتی حقیقت نگاری کا وسیلہ ہوتی ہیں اور تخلیق کار کے لیے اس تکنیک کے استعمال کو ممکن بناتی ہیں۔ ایسی ہی تکنیکوں میں ایک اہم تکنیک شعور کی رو ہے جسے Stream of Consciousness کا نام دیا جاتا ہے۔ اس تکنیک کے ذریعے کردار کے نظام خیال کو سامنے لایا جاتا ہے۔ اس کے افکار و خیالات اور محسوسات اس کی نفسیات کو تحریری متبادل کے ذریعے بیان کر کے کردار کے نقطہ نظر کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اس سے کردار کے خیالات اور محسوسات صیغہ متکلم میں براہ راست پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ ایسی تکنیک جس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جس کا یہاں دہرایا جانا مناسب نہیں، تاہم یہ ایک ایسی تکنیک ہے جس کے ذریعے تخلیق کار قاری کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ کردار کے نظامِ خیال میں جھانک سکے۔ اس کا دارومدار کردار کی سوچ اور فکر پر ہوتا ہے، جسے تخلیق کار اسی کے الفاظ میں سامنے لاتا ہے۔ یہاں ہم سوچ کے حوالے سے دیکھیں تو سوچ کا عمل کامل منطق کے ساتھ مربوط جملوں کی صورت میں نہیں ہوتا۔ ذہن جب سوچ پر

معمور ہوتا ہے تو معمولی ترین انسلاکات کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک سے دوسری جگہ زقند بھرنے لگتا ہے۔شعور کی رو کی تکنیک کے استعمال سے تخلیق کار کردار کے احساسات اور خیالات کے اس بہاؤ کو گرفت میں لا کر اس کے تحریری متبادل کے ذریعے پیش کرتا ہے۔

شعور کی رو سے ملتی جلتی ایک تکنیک (جو تکنیک سے زیادہ بیانیہ وسیلہ ہے) داخلی خود کلامی (Interior Monologue) ہے۔اس میں بھی کردار کے خیالات تک قاری کی رسائی ممکن بنائی جاتی ہے۔ شعور کی رو اور داخلی خود کلامی میں بڑا فرق یہ ہے کہ داخلی خود کلامی میں خیالات کا اظہار شعور کی رو کی طرح ہیجانی (Chaotically) انداز میں نہیں ہوتا، بلکہ انہیں اس طرح منطقی انداز سے ترتیب دیا جاتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کردار خود سے مخاطب ہے۔وہ اپنے ذہن سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ داخلی خود کلامی کی انکشاف انگیز صورت حال اس وقت سامنے آتی ہے جب اسے کردار کی حرکات، مخصوص اعمال اور محسوسات کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

نفسیاتی بیانیہ(Psycho Narration)نفسیاتی حقیقت نگاری میں مستعمل ایک اور بیانیہ وسیلہ ہے۔اس میں کردار کے خیالات وافکار ایک ایسے بیان کنندہ کے ذریعے سامنے آتے ہیں جو غائب راوی کی صورت پیش منظر میں موجود رہتا ہے۔یہ غائب راوی نہ صرف کردار کے افکار وخیالات کی ترسیل کرتا ہے بلکہ کچھ ایسے عمومی مشاہدات بھی بیانیہ میں شامل کر دیتا ہے جو کردار کے خیالات میں شامل نہیں ہوتے۔ اس بیانیہ سے وسیلے میں کردار کی آواز پست اور غائب راوی کی صورت میں پیش منظر میں موجود بیان کنندہ کی آواز سے توانا ہوتی ہے۔

نفسیاتی بیانیہ(Psycho Narration)اور داخلی خود کلامی(Interior Monologue)کے امتزاج سے ایک اور نفسیاتی بیانیہ وسیلہ خود کلامی(Narrated Monologue) کی صورت میں بھی سامنے آتا ہے۔اس میں بیان کنندہ غائب راوی کے صیغے میں کردار کے خیالات سے بھی آگاہی دلاتا ہے اور بعض اوقات وہ صرف منظر پیش کرتا ہے جب کہ خیالات کی ترسیل براہ راست کردار کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس بیانیہ وسیلے میں نحوی ترتیب عموماً کم روایتی ہوتی ہے۔اس کے ذریعے کردار کے ذہنی اسلوب کی ترسیل بہت قریب سے کی جاتی ہے۔اس نفسیاتی بیانیہ وسیلے کے استعمال سے قاری خیالات کی تفہیم کے دوران میں دوہری آواز سے آشنا ہوتا ہے۔ ایک بیان کنندہ کی آواز اور اس کے ساتھ کردار کی آواز، یہ دونوں مدغم بھی ہوتی رہتی ہیں۔عام طور پر طنز کے عنصر کی پیش کش کے لیے اس وسیلے کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔

نفسیاتی حقیقت نگاری کے ان وسیلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کردار کے خیالات و افکار کی ترسیل کا عمل خاصا پیچیدہ ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقی عمل ہوتا ہے۔ اس میں بنیادی اہمیت کردار کو حاصل ہوتی ہے۔ نفسیاتی حقیقت نگار کا امتیاز یہ ہے کہ وہ بیان، وضاحت، داخلی خود کلامی، مکالموں اور دیگر نفسیاتی وسیلوں سے کردار کی تشکیل کے عمل سے سرخرو ہو کر نکلتا ہے۔ وہ ایسا متن تخلیق کرتا ہے جس سے قاری کردار کے اعمال وافعال سے ہی آگاہی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی داخلی کائنات تک رسائی حاصل کر کے ان افعال واعمال کی نفسیاتی توجیہہ جاننے میں بھی کامیاب رہتا ہے۔

نفسیاتی حقیقت نگاری کے تحت لکھے جانے والے عالمی ناولوں میں روسی تخلیق کار فیودور دیستوو کا ناول "Crime and Punishment" امریکی ناول نگار ہینری جیمس کے ناول "The Portrait of a Lady" کے علاوہ "The Ambassadors" اور "The Turn of the Screw" اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایڈتھ وارٹن کا ناول "The Age of Innocence" بھی نفسیاتی حوالے سے اہم تخلیق قرار پاتا ہے۔ عالمی ادب کے تخلیق کاروں میں جیمز جوائس، ورجینیا وولف، سموئیل بیکٹ، ولیم فلکنر، رابرٹ ہینٹن. اور جاپانی نژاد، برطانوی ناول نگار کاؤزی اشی گرو اہم ناول نگار قرار پاتے ہیں جن کے ہاں کرداروں کی نفسیات نگاری کا عمل بڑے مؤثر انداز میں مکمل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

اردو ناول نگاری میں مرزا ہادی رسوا کا نام ایک ایسے ناول نگار کے طور پر ابھرتا ہے جنھیں نفسیاتی منطقوں کے اظہار کے حوالے سے بنیاد گزار کا درجہ حاصل ہے۔ رسوا سے قبل ناول پر جو مقصدیت چھائی ہوئی تھی، اس کی سماجی اہمیت اگرچہ مسلمہ ہے تاہم اُس عہد کے فرد کے داخلی احساسات، جذبات اور اس کے لاشعوری مسائل کو ناول میں پیش کرنے کا رجحان نہیں ملتا۔ یوں ناول میں نفسیاتی سطح پر ایک خلا پایا جاتا ہے جسے پہلی بار مرزا ہادی رسوا نے پُر کیا۔ ان کا ناول "امراؤ جان ادا" امیرن سے امراؤ بننے والی لڑکی کی داخلی کیفیات اور کشمکش کے ساتھ ساتھ اس کی نفسیاتی الجھنوں کو بڑے مؤثر انداز میں سامنے لاتا ہے۔ خان(٦) کے مطابق:

> "انسانی نفسیات کی کھوج لگانے کا فریضہ ہمارے ناول میں خاص طور پر مرزا ہادی رسوا نے انجام دیا۔ ان کے ناول "امراؤ جان ادا" میں محض طوائف امراؤ جان ہی کی نفسیات کا بیان نہیں بلکہ ان تمام افراد کا جائزہ بھی موجود ہے جو اس کے حوالے سے سامنے آتے ہیں۔"

ناول "امراؤجان ادا" کی ہیروئین کا امیرن سے امراؤجان ادا تک کا سفر اس کی نفسیاتی صورت حال کی تفہیم میں معاونت کرتا ہے۔جب وہ امیرن تھی تو گھر میں رہتے ہوئے کوٹھے کا تصور بھی اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔گھر کی چار دیواری، باپ سے انس، بہن بھائیوں کے لاڈ اور سب سے بڑھ کر تحفظ کا احساس اسے ایک مکمل عورت کے روپ میں ڈھال رہا تھا لیکن وہ جب دلاور نامی بد معاش کے انتقامی جذبے کی بھینٹ چڑھتی ہے تو خانم کے کوٹھے پر پہنچتی ہے، یہاں خانم، بوا حسینی، گوہر مرزا سمیت ناکام عاشقوں کی صورت میں جو کردار سامنے آتے ہیں، وہ امیرن اور امراؤ کی نفسیاتی صورت حال کو واضح کرتے ہیں۔ وہ جب امیرن تھی تو اس سے جڑا ہر رشتہ خلوص، وفا اور ہمدردی سے معمور تھا لیکن امراؤ بنی تو اس سے جڑنے والا ہر رشتہ تصنع، مفاد پرستی اور جنسی تلذذ میں ڈھلتا چلا گیا۔ جب خود سے جڑے رشتوں کی نوعیت بدلتی ہے تو وہ ناسٹلجیائی کیفیت سامنے آتی ہے جو اسے امراؤ سے زیادہ امیرن ہونے پر فخر کرنے پر مجبور کرتی ہے۔وہ خود کو حال سے زیادہ ماضی میں محفوظ اور نفسیاتی سطح پر پر سکون محسوس کرتی ہے۔وہ ماضی جس میں وہ محض ایک عورت تھی، لیکن اب وہ طوائف کا روپ بھی دھار چکی ہے۔اگرچہ اس روپ میں وہ کئی حوالوں سے اس خود مختاری کو بھی پہنچتی ہے جو اسے گھر میں حاصل نہیں تھی، لیکن اس سب کے باوجود اس کے اندر کی عورت نفسیاتی سطح پر اس کے اس طوائف کے روپ پر غالب آتی ہے۔اس کی نفسیاتی کیفیت کا تجزیہ کرتے ہوئے۔اظہر(۷)لکھتے ہیں:

> "طوائف زادی کے اندر ہمیشہ ایک عورت زندہ رہتی ہے، کیونکہ عورت کی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ چاردیواری کے اندر ہی تحفظ بھی محسوس کرتی ہے اور پیار سے بھری فضا اس کے لیے باعث سکون بھی ہوتی ہے۔"

رسوا نے امراؤ جان ادا کے کردار میں، کہانی کی ضرورت کے مطابق جذبہ عمل اور مزاحمت کی کمی دکھائی ہے۔وہ حالات کے جبر کے تحت کوٹھے کے ماحول میں ڈھل کر طوائف کا روپ تو دھار لیتی ہے مگر اپنے داخل میں جاری کشمکش اور اس اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی وجہ سے اٹھائی جانے والی ہزیمت کو دل سے قبول نہیں کر پاتی۔ جس کی وجہ سے وہ کامیاب طوائف بننے سے بھی قاصر رہتی ہے۔اس کے داخل میں موجود امیرن گھٹن اور خوف کے ماحول میں بھی اس کے اندر موجود رہتی ہے۔ یوں اس کے کردار میں امیرن اور امراؤ کی کشمکش ابھرتی ہے۔ اس کشمکش کے دوران میں اس کردار میں نرگسیت کے عنصر کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ناول " امراؤ جان ادا " میں رسوا"(۸) نے اس نرگسیت کو امراؤ کی زبانی یوں پیش کیا ہے:

"کھلتی ہوئی چمپئی رنگت تھی۔۔۔ماتھا کسی قدر اونچا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بچپنے کے پھولے پھولے گال تھے۔ناک اگرچہ ستواں نہ تھی، مگر نیچی اور بہوپھری بھی نہ تھی۔ڈیل ڈول بھی سن کے مطابق اچھا تھا۔ پاؤں میں لال گلبدن کا پائجامہ، چھوٹے چھوٹے پائچوں کا ٹول کا نیفہ، نینوں کی کرتی ،تنزیب کی اوڑھنی ،ہاتھوں میں چاندی کی تین تین چوڑیاں ،گلے میں طوق ،ناک میں سونے کی نتھنی۔۔۔کان ابھی تازہ تازہ چھدے تھے۔ان میں صرف نیلے ڈورے پڑے تھے۔سونے کی بالیاں بننے کو گئی تھیں۔"

مرزاہادی رسوا عورت کی نفسیات سے بہ خوبی واقف ہیں۔وہ یہ جانتے ہیں کہ ایک عورت خواہ کسی بھی روپ میں ہو، اس کی نسوانی خواہشات اور عورت ہونے کا احساس ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔یہی احساس اس کی نفسیاتی الجھنوں کا حل بھی بنتا ہے۔اس ناول میں امراؤ جان ادا طوائف کا روپ دھارنے کے بعد بھی عورت کے جذبات بالخصوص رشک کے جذبے سے معمور دکھائی دیتی ہے۔یہ رشک اور حسد دوسری عورت کے بارے میں پایا جاتا ہے۔عورت کی نفسیات کے تناظر میں اس جذبے کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک فطری میلان بھی قرار پاتا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کے بارے میں حسد اور رشک میں مبتلا ہوتی ہے۔ناول "امراؤ جان ادا" میں امراؤ بھی اسی جذبے سے معمور ہے۔اس کے اندر کی عورت اس جذبے کا اظہار کرتی ہے۔رسوا(8) امراؤ کی زبان سے اس کی ان نفسیاتی کیفیات اور جذبات کو یوں سامنے لاتے ہیں:

"عورت کو عورت سے جو رشک ہوتا ہے اس کی کچھ انتہا نہیں ہے۔سچ تو یہ ہے، اگرچہ مجھ کو کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔میرا دل چاہتا تھا کہ سب کے چاہنے والے مجھے چاہیں اور سب کے مرتے مجھ پر ہی مریں، نہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں نہ کسی پر جان دیں۔"

امراؤ جان ادا کی نفسیاتی صورت حال کو اگر ہم فرائیڈ کے الیکٹرا کمپلیکس کے تناظر میں دیکھیں تو فرائیڈ نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ لڑکیاں نفسیاتی طور پر باپ کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور باپ سے ان کی وابستگی ماں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔امراؤ کے ماضی کو دیکھا جائے تو امراؤ بننے سے قبل جب امیرن کے روپ میں تھی، تو اس کی نفسیاتی صورت حال اسی الیکٹرا کمپلیکس کے مطابق ابھرتی دکھائی دیتی ہے۔اس کا جو طرزِ عمل سامنے آتا ہے، وہ ماں کے مقابلے میں باپ سے زیادہ گہری وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔وہ ہر دم باپ کی محبت اور شفقت سے سرشار رہتی ہے۔جب کہ ماں کے کردار کو دیکھا جائے تو وہ ایڈی پس کمپلیکس کے نظریے کے مطابق میں بیٹے کی قربت سے سرشار ہوتی ہے۔

ناول " امراؤ جان ادا " میں نفسیاتی حوالے سے نظر بازی یعنی (Schomophilia) کا نفسیاتی عمل بھی ملتا ہے۔ اس کی عکاسی خانم کے کردار سے ہوتی ہے۔ خانم کے کردار کا نفسیاتی مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نظر بازی کی نفسیاتی کیفیت کی شکار ہے۔ یہ کیفیت ہی اسے مفاد پرستی کی طرف مائل کرتی ہے۔ وہ ہر مرد سے ملتے وقت سب سے زیادہ اپنے مفادات کو مقدم رکھتی ہے۔ جب یہ مفادات پورے ہو جاتے ہیں تو وہ نہ صرف اس سے کنارہ کر لیتی ہے بلکہ اپنی برتری جتانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ مرد کو لبھانے کا جو فن اس نے اپنے مفادات کے زیر اثر پروان چڑھایا ہوتا ہے، وہ نئی لڑکیوں کے سامنے اس پر شیخیاں بھی بگھارتی ہے۔ وہ نئی لڑکیوں کو یہ باور کراتی رہتی ہے کہ وہ عشوہ سازیوں اور مرد کو لبھانے کے اس فن سے نا آشنا ہیں جن میں خانم طاق ہے۔ یہ نفسیاتی صورت حال ایک طرف اسے مفاد پرستی پر آمادہ کرتی ہے تو دوسری طرف نئی لڑکیوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے پر بھی اکساتی ہے۔ Schomophilia کے نفسیاتی عمل میں کردار ایسی ہی صورت حال کا شکار ہو جاتا ہے۔

مرزا ہادی رسوا کے ناول "امراؤ جان ادا" کی ایک نفسیاتی جہت فرائیڈ کے جنسی جبلت کے نظریے کے تناظر میں بھی ابھرتی ہے۔ فرائیڈ نے جنسی جبلت کو ایک حقیقت قرار دیا ہے کہ ہر فرد جنسی جبلت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنسی جبلت کا صحت مندانہ اظہار کسی بھی فرد کی نفسیاتی کشمکش اور نفسیاتی الجھنوں کو دور کر کے اس کے لیے نفسیاتی تسکین کا سبب بھی بنتا ہے۔ اگر جنسی جبلت کے بروقت اور موزوں اظہار پر پابندی عائد کر دی جائے تو ذہنی انتشار جنم لیتا ہے۔ جنسی جبلت کا اس قدر حامی ہونے کے باوجود فرائید اس کے حصول کے لیے مریضانہ لگاؤ کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ جنسی جبلت کے موزوں اور بروقت اظہار کو ہی نفسیاتی تسکین کا ذریعہ سمجھتا ہے لیکن اگر ہم ناول "امراؤ جان ادا" کا لکھنؤ کی شکست خوردہ اور زوال آمدہ سماجی صورت حال کے تناظر میں جائزہ لیں تو اس تہذیب کے بیشتر کردار حد سے زیادہ بڑھی ہوئی جنسی تشنگی اور جنس سے مریضانہ لگاؤ کے شکار دکھائی دیتے ہیں۔ اس عہد کا جائزہ لیں تو اس میں طوائف کی موجودگی اور کوٹھے کی صورت میں جنسی تسکین کے مکمل ادارے کی سہولت ہونے کے باوجود اس سماج کے افراد کا جنسی تشنگی میں پڑنا اور اس سے مریضانہ لگاؤ رکھنا دراصل بہت سے نفسیاتی عوارضات اور ذہنی تناؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں انتشار پر مبنی منظر نامہ اور کھوکھلے پن کے حامل کردار دکھائی دیتے ہیں۔ اس کھوکھلے پن کی بڑی مثال خانم کے کردار کی صورت میں ابھرتی ہے جس کے انہی نفسیاتی عوارض کی وجہ سے اگرچہ وہ مقناطیسی محور بن کر تمام قوتوں کو اپنی طرف کشش کرتی ہے لیکن جو اخلاقی پستی اور

جس طرح کی سماجی گراوٹ اس کے ہاں ملتی ہے، وہ آگے چل کر انسانی رشتوں اور باہمی روابط کی ناقدری، مفاد پرستی، شکست خوردگی کو جنم دیتی ہے۔ناول " امراؤ جان ادا" میں امیرن سے امراؤتک کا سفر ایک عورت سے طوائف کے روپ میں ڈھلنے کا سفر ہی نہیں ہے بلکہ ایک بہترین تہذیب کے عروج سے زوال تک کا بھی سفر ہے۔ یہ ایک شکست خوردہ تہذیب کی کہانی ہے جس کی شکست خوردگی کے نفسیاتی اور فکری اسباب سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

رسوانے "امراؤجان ادا" میں نفسیاتی حقیقت نگاری کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا ہے۔انھوں نے کرداروں کی داخلی کائنات کو واضح کرنے اور مختلف کرداروں کی داخلی یا نفسیاتی کشمکش کے ساتھ ساتھ بعض کرداروں میں احساس برتری، احساس کمتری، تعقید کمتری جیسے نفسیاتی عوارض کو بھی اجاگر کیا ہے۔انھوں نے اس ناول کے ذریعے اپنے عہد کے ادبی اور شعری منظر نامے اور ادبی مذاق کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ اس وقت کے تخلیق کاروں اور سامعین کی نفسیاتی صورت حال کی تفہیم میں بھی معاونت کرتی ہے۔ لکھنؤ کے سماج کی جو متحرک تصویر اس ناول کے ذریعے سامنے آتی ہے ، اس میں بزم اور طلسم دونوں پائے جاتے ہیں۔ لکھنو سماج اور تہذیب کی عکاسی کرتے ہوئے انھوں نے ملبوسات، پارچہ جات، اندازِ تکلم ، طرزِ زیست، سماجی مظاہر، ثقافتی اقدار، تصنع پر مبنی سماجی رویوں کے ساتھ ساتھ نواب، غلام، بانکے، شریف عورتیں، دلال، لونڈے، سازندے، چور اور بدمعاش ہر طرح کے کرداروں کو سامنے لاکر ایک پورا تہذیبی منظرنامہ قاری کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ ایسا تہذیبی منظرنامہ جو کرداروں کے داخلی احساسات اور ان کی نفسیاتی کیفیات تک قاری کی رسائی ممکن بناکر اسے اس تہذیبی منظرنامے میں جینے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

رسوا کا "ذات شریف" اصلاحی رجحان کا حامل ناول ہے۔اس ناول میں اصلاحی جذبے کے تحت نواب زادوں کی عیاشیاں اور ان کے طرزِ زیست کو بیان کرتے ہوئے رسوا نے لکھنوی سماج کی اقدار کے زوال کے نفسیاتی اسباب ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ چھوٹے نواب کا کردار ایک ایسا کردار ہے جسے اسلاف سے ملنے والی دولت اور وسیع جائیداد نے خود نمائی اور خود پرستی کے نفسیاتی عارضے میں مبتلا کر دیا ہے۔اس کے علاوہ حکیم صاحب اور خلیفہ جی کے کردار بھی دولت کی ہوس کے شکار دکھائی دیتے ہیں بالخصوص حکیم جی جو چھوٹے نواب کی والدہ کو اپنے نکاح میں لاکر دولت پر قابض ہونے کے نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہیں۔ ان کے تمام افعال اسی نفسیاتی فکر کے تحت سرزد ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان اعمال میں مکاری اور چالاکی کا عنصر شامل ہے۔اسی طرح افیونی ملازم نبی بخش، شاہ صاحب کے روپ میں موجود

جعلی پیر، یہ سب ایسے کردار ہیں جن کی فکر اور نفسیات پر صرف مفاد پرستی چھائی ہوئی ہے۔ دھوکا دہی، لوٹ کھسوٹ اور دوسروں کو بیوقوف بنانے والے تمام افعال اسی نفسیاتی فکر کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔

خواتین کے کرداروں میں چھوٹے نواب کی ادھیڑ عمر پھوہڑ خادمہ امامن اہم ہے جو بیٹی اور نواسے کی کفالت کی ذمہ داری کے دباؤ میں ہے۔ امامن جنسی ناآسودگی اور تشنگی کا شکار ہے۔ اپنی اس جبلت کی تسکین کے لیے وہ امجد جیسے آوارہ نوجوان کا سہارا لیتی ہے۔ اس سے جنسی تسکین کی خاطر وہ اس کے ناز نخرے بھی اٹھاتی ہے، اسے معاشی فائدہ بھی دیتی ہے اور اس کے نشے کا بھی انتظام کرتی ہے۔ رسوا (9) نے بگڑے ہوئے نوابوں کے زوال کی وجہ ان الفاظ میں پیش کی ہے:

> "ناتجربہ کار امیر زادے جب مطلق العنان ہوتے ہیں اور مفت کی دولت ہاتھ آتی ہے تو انہیں سوائے اس کے کوئی فکر ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لٹانے کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔ اس قسم کے بہانے طبیعت خود اختراع کیا کرتی ہے۔ دوست آشنا، نوکر چاکر ان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مثلاً آج آخر ہفتہ ہے۔۔ چلیے پیکالن کے نیلام میں چلیں۔ وہاں گئے بے کار بے مصرف چیزیں خرید لیں۔ وہ چیزیں نہ ان کی ضرورت کبھی تھی اور نہ ہو گی، اور جہاں پر لا کے ڈال دی گئیں۔ وہاں سے اگر اٹھیں گی تو اسی دن اٹھیں گی، جب قرض خواہ مہاجن انھیں قرقی میں لے جائے گا۔"

مرزا ہادی رسوا نے ناتجربہ کار اور بگڑے ہوئے امیر زادوں کی اس نفسیاتی کیفیت کو واضح کیا ہے، جو انھیں دوسروں سے برتر ہونے کے احساس پر اکساتی ہے۔ ایک طرف مفت کی دولت ہاتھ آئی ہوتی ہے تو دوسری طرف اسی دولت کی قدر بھی ان کے ذہن میں نہیں ہوتی۔ وہ اسے اپنی نمود و نمائش اور برتری کے لیے لٹاتے ہیں۔ ان کی خریداری، دوسروں سے مالی برتاؤ، طرزِ زیست سب کچھ تصنع پر مبنی ہوتا ہے۔ تصنع پسند سوچ ہی ان کی نفسیات کا محور ہوتی ہے۔ رسواؔ نے ان مطلق العنان امیر زادوں کا جو نقشہ اس ناول میں کھینچا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے تو ان کی بنیادی ضروریات زندگی سے لے کر ان کے تفریحی مشاغل تک، ہر جگہ یہی سوچ کارفرما دکھائی دیتی ہے کہ وہ دولت مند ہیں اور انھیں دولت مند نظر آنا چاہیے۔ یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ نواب صاحب کس قدر فراخئ قلب کے حامل ہیں۔ رسواؔ نے اس سوچ کے سماجی اثرات کو بھی نمایاں کیا ہے۔ جب ایسی سوچ سماج کے متمول اور بااثر افراد میں پروان چڑھتی ہے تو سماجی اقدار کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ تساہل پسندی، جنسی تسکین کی طرف ہر وقت دھیان اور ایک طرح کا مریضانہ لگاؤ، منشیات کی عادت،

خوشامدی اور مفاد پرست عناصر کو اہمیت دینا تاکہ ان کے ذریعے اپنے دولت مند اور بااثر ہونے کا تاثر مزید ابھارا جائے، یہ ایسے نفسیاتی عوارض ہیں جو آگے چل کر سماجی اور تہذیبی زوال کا سبب بنتے ہیں۔

ناول "ذات شریف" میں رسوا نے لکھنوی معاشرے میں بسنے والی طوائف کی نفسیات کو بڑی مہارت سے اجاگر کیا ہے۔ خورشید نامی طوائف اگرچہ ایک پیشہ ور طوائف ہے اور اپنے پیشے کے اسرار و رموز سے واقف ہے، لیکن اس کے طرزِ زیست اور سوچ سے اس کا جو سراپا ابھرتا ہے، اس سماج میں طوائف کی وضع داری اور اس وضع داری پر کوئی سمجھوتا نہ کرنے کی سوچ ابھرتی دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ ارزل پیشے سے منسلک ہے لیکن اس کی فکر اور نفسیات میں اس پیشے سے منسلک ہونے کے باوجود وضع داری کا عنصر موجود ہے، جس پر وہ کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ رسوا(9)"ذات شریف" میں اس کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "خورشید تھی تو رنڈی، مگر حد کی وضعدار تھی۔ سیرت اور صورت دونوں بہت کم جمع ہوتے ہیں، خصوصاً شاہدان بازاری میں۔ جس دن خلیفہ جی سے نواب کے سامنے بحث ہوئی۔ اس دن اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب میرا رہنا اس سرکار میں محال ہے۔ خلیفہ جی کی جعل بندیوں سے وہ بخوبی واقف تھی اس کو معلوم تھا کہ نواب اب دام فریب سے نہیں نکل سکتے۔ نواب سے اس کو کسی قدر محبت بھی تھی مگر وہی محبت جو اس قسم کی عورتوں کو ہو سکتی ہے۔ نہ ایسی کہ جیسی نیک بخت بیبیوں کو اپنے شوہر سے ہوتی ہے۔ ان دونوں محبتوں میں افراط و تفریط اور اعتدال کی نسبت ہوتی ہے۔ یعنی یا تو ایسی عورتیں حد سے زیادہ چاہنے لگتی ہیں، یا بہت ہی کم، یا بالکل نہیں۔ اور بی بی کی یکساں حالت رہتی ہے۔ خورشید کو چھوٹے نواب سے محبت تھی مگر اس طرح کی جیسی اس نوکر کو اپنے آقا سے ہوتی ہے جو اپنے فرائض منصبی کو سمجھتا ہے۔"

مرزا ہادی رسوا نے ناول "ذاتِ شریف" میں جو اسلوبی وسیلے برتے ہیں، ان میں انھوں نے کرداروں کا سراپا سامنے لاتے وقت بعض جگہوں پر استہزائی اسلوب سے کام لیا ہے۔ کرداروں کی ہیئت زائی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ انھوں نے "امراؤ جان ادا" میں جس طرح گہما گہمی کی فضا دی ہے اور جو تنوع، انبوہ اور گہما گہمی امراؤ کے کردار میں دکھائی دیتی ہے، وہ اس ناول کی فضا میں نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ناول کی تھیم میں وہ تہہ داری مفقود ہے جو امراؤ کی شخصیت میں پائی جاتی ہے۔ انھوں نے جس طرح اس ناول میں بعض کرداروں کے سراپے کے بیان میں طنزیہ اسلوب اختیار کر کے انھوں نے بالائی طبقے میں ان اسباب کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے جو اس طبقے کو زوال

کی طرف دھکیلنے کا محرک بنے ہیں۔ ذیل میں دیکھیے کہ رسوا(9) کس طرح ایک کردار کا سراپا طنزیہ اور مضحکہ خیز انداز میں سامنے لاتے ہیں:

"میانہ قد گندمی رنگت. الفربہ. ناک نقشہ میں کسی قدر بھدا پن. گول چہرہ آنکھیں کسی قدر چھوٹی۔ سن شریف چالیس سے کچھ اوپر۔ اس نسبت سے توند کی استدارت اور ضخامت کو بھی قیاس کر لیجیے۔ مگر اپنی شکل صورت پر، حد سے زیادہ نازاں تھے۔ اکثر اوقات آئینہ پیش نظر رہتا تھا۔ کسی قدر شریعت مزاج میں تھی۔ اس لئے داڑھی منڈوائی تو نہ جاتی تھی مگر اس قدر باریک کترواتے تھے کہ، اگر خورد بین سے دیکھی جائے تو بھی بمشکل نظر آئے۔ موچھوں میں سفید بال کثرت سے تھے کہ ان کو چنتے چنتے حجام عاجز ہو جاتا تھا۔ خضاب کی کئی مرتبہ صلاح دی گئی مگر اس کی نوبت ابھی تک نہ آئی تھی۔ یا تو کوئی مجرب نسخہ دستیاب نہ ہوا تھا یا یہ کہ حکیم صاحب اس کو علامت پیری تصور کرتے تھے اور بالوں کی سفیدی ایک امر عارضی تھا ابھی حکیم صاحب کا سن ہی کیا تھا۔"

رسوا نے اس ناول میں جس طرح مقصدیت کے عنصر کو ملحوظ خاطر رکھا ہے، اس سے نوابوں کی عیاشیاں اور سرمستیاں غالب ہوتی چلی گئی ہیں۔ اگرچہ انھوں نے اس ناول میں بھی کرداروں کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے تاہم دیگر ناولوں کی بہ نسبت یہ ناولوں سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے مدھم پڑتا دکھائی دیتا ہے۔

رسوا کا ایک اور اہم ناول "شریف زادہ" بھی ان کے اصلاحی مقصد کی نذر ہو گیا۔ اس ناول میں بھی انھوں نے لکھنو کی زوال آمدہ تہذیب اور شکست خوردہ اقدار کے نقشے کھینچے ہیں، لیکن کرداروں کے نفسیاتی تجزیے وہ زیادہ نہیں کر پائے۔ جس کی وجہ سے نفسیاتی حقیقت نگاری کا عنصر اس ناول میں کمزور پڑتا دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ رسوا ایک بڑے مقصد یعنی لکھنو کے زوال کے اسباب و محرکات کی تلاش اور اصلاح کرتے کرتے اب اضمحلال کا شکار ہو چکے ہیں۔ نفسیاتی طور پر ان پر تھکاوٹ طاری ہو چکی ہے۔ ان کے احساسات اور اب خارج سے داخل کا رخ کر چکے ہیں اور ان داخلی احساسات کی وجہ سے اس ناول کا اسلوب بھی بڑی حد تک سوانحی ہوتا چلا گیا ہے۔

رسوا نے ناول "شریف زادہ" میں مرزا عابد حسین کا جو مرکزی کردار تخلیق کیا ہے، یہ کردار خاص نفسیاتی مطالعے کا متقاضی ہے۔ اس ناول میں نفسیاتی حوالے سے اگر کچھ دکھائی دیتا ہے تو اسی کردار میں ہے۔ یہ ایک ایسا کردا رہے جسے رسوا نے مثالی بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کی مثالیت نہ صرف مادیت اور عہدیداری کے حوالے سے سامنے آتی ہے بلکہ اخلاقیات کے حوالے سے بھی یہ ایک مثالی کردار ہے۔ نفسیاتی سطح پر یہ کردار بہت مضبوط ہے۔ اس کی داخلی کائنات

بہت وسیع ہے۔ یہ سوچتا ہے اور عمل کر گزرتا ہے۔ دنیا بھر کے ہنر سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر ہنر کی طرف بڑھنے کے پیچھے بہ ذات خود ایک نفسیاتی محرک ہے جو دوسروں سے خود کو بالا کرنے کے جتن پر اکساتا ہے۔ اس کردار نے عروج کا زمانہ بھی دیکھا ہوتا ہے اور عروج کے دنوں میں جب اعلیٰ عہدیدار ہوتا ہے، تو اس وقت بھی نفسیاتی سطح پر یہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے اس کے اخلاق متاثر ہوں۔ جب ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہو تو ایسی صورت میں اختیار ہونے کے باوجود بھی رشوت سے انکار کرنا، اس کردار کا وہ نفسیاتی پہلو ہے جو اسے دوسروں سے منفرد ہونے کی طرف لے جاتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر یہ کردار دوسروں سے کچھ الگ کرنے کی خواہش کا اسیر دکھائی دیتا ہے۔ زوال کے دنوں میں جب سب اسباب بک جاتا ہے، نوبت فاقوں تک آ جاتی ہے تو ان دنوں میں بھی یہ اپنے ہنر آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کردار کی جو مثالیت اس ناول میں ابھرتی ہے نفسیاتی تناظر میں دیکھا جائے تو وہ اس داخلی خواہش کا نتیجہ ہے جو خود پسندی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ کردار خود کو اس حد تک پسند کرتا ہے کہ لکھنوی معاشرے کا وہ ماحول جس میں تساہل پسندی، کام چوری، بے سرگرمیاں، جوا، قمار بازی، اور منشیات عام ہو رہے تھے، اس وقت بھی یہ کردار دوسروں سے منفرد کرنے کا سوچتا ہے۔ زوال کے وقت جب ہر طرف سے وہ مایوس لوٹتا ہے تو ایسی صورت حال میں اس کی نفسیاتی کیفیات بدلتی چلی جاتی ہیں۔ اسے اپنی زندگی کا ضائع ہوتی دکھائی دینے لگتی ہے۔ گھر میں فاقوں کی وجہ سے وہ سماجی تضادات اور سماجی طبقاتی سوچ کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ وہ محنت سے عاری نہیں ہے لیکن جب محنت کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آتا تو اسے اپنی صلاحیتوں کے زیاں کا کرب بھی نفسیاتی سطح پر متاثر کرتا ہے۔ اس نے اپنے بارے جو سوچ رکھا ہوتا ہے، وہ سب فاقے کی نذر ہو جاتا ہے اور اب وہی کردار جو بھرے پڑے سماج میں اپنی سوچ، نفسیاتی کیفیت اور اس کے نتیجے میں ظہور پانے والے طرزِ عمل میں دوسروں سے منفرد ہوتا ہے، اس کی سوچ اور فکر روٹی تک محدود ہو جاتی ہے ۔ وہ جو سب سے بلند ہونے کا سوچ کر ہر ہنر میں ہاتھ ڈالتا ہے، فاقوں کے دوران میں وہ اپنا موازنہ اگر سماج کے ساتھ کرتا ہے تو روٹی کی فکر میں ہی کرتا ہے۔ وہ جس نفسیاتی کیفیت کا شکار ہو چکا ہے، رسوا (10) اسے داخلی خود کلامی کے ذریعے یوں سامنے لاتے ہیں:

> "افسوس! آج ہمارے بیوی بچوں کا دوسرا فاقہ ہے۔ راستے میں جو لوگ ملتے ہیں، ان کے چہرے کس قدر بشاش نظر آتے ہیں۔ کنجڑوں کی دکانیں میووں اور ترکاریوں سے بھری ہوئی ہیں۔ نان بائی گرم گرم شیرمالیں اور خمیری روٹیاں تنور سے نکال رہے ہیں۔ نہاری کے پتیلے سے گرم گرم بھاپ نکل رہی ہے

۔فجو کی دکان پر حلوہ سوہن بھی تازہ تازہ بنا ہوا ہے۔تمام راستہ مہکا ہوا ہے۔حلوائیوں کی دکان پر پوریاں، کچوریاں، حلوے، مٹھائیاں کیسی پٹی پڑی ہوئی ہیں۔اس میں سے کچھ بھی ہمارا اور ہمارے غریب بیوی بچوں کا حصہ نہیں۔صراف کی دکانوں پر پیسوں کا ڈھیر ہے۔لوگ کیسے چھنا چھن روپے بھناتے ہیں۔ہم کو ایک پیسہ تک نہیں میسر کہ اپنے بچوں کے لیے چنے بھنا کرلے جائیں۔"

یہیں سے وہ احساس کمتری جنم لیتا ہے جو آگے چل کر مایوسی میں بدلتا ہے۔روزگار کی تلاش مرزا صاحب کی اپنی ذات سے زیادہ بیوی اور بچوں کے فاقے دور کرنے کی ضرورت بن چکا ہے۔مرزا صاحب جگہ جگہ روزگار کی تلاش میں جاتے ہیں لیکن جب کوئی صورت بن نہیں پاتی تو وہ اپنا موازنہ دوسروں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں۔سوہن حلوہ، نان بائی، شیرمال، خمیری روٹیاں، نہاری، کچوریاں اور دیگر ایسی بہت سی چیزیں دیکھ کر ان کے ذہن میں طبقاتی تضاد ابھرنے لگتا ہے۔وہ امیر اور غریب کے فرق کو نفسیاتی سطح پر محسوس کرنے لگتے ہیں۔یہاں ان کی جو نفسیاتی کیفیت ظاہر ہوتی ہے، وہ بھوک کے زیر اثر ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کو امراء کے پاس موجود جن نعمتوں کا خیال آتا ہے، بھرے بازار میں سے گزرتے ہوئے جن چیزوں پر نظر پڑتی ہے، وہ سب کی سب کھانے کی چیزیں ہیں۔وہ جب اپنی اور بیوی بچوں کی بھوک کے باوجود ان تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو جبلت مرگ سر اٹھانے لگتی ہے۔احساس کمتری اس قدر شدید ہوتا ہے کہ وہ مایوسی میں بدل جاتا ہے یہی مایوسی انھیں موت کے دروازے تک لے جاتی ہے۔وہ خودکشی کا سوچتے ہیں اور اس طرف قدم بھی بڑھاتے ہیں لیکن نفسیاتی خلفشار اور مایوسی اس وقت جھٹکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ذہن میں بیوی بچوں کا خیال آتا ہے کہ جن کی بھوک مٹانے کے لیے یہاں تک سوچنے پر مجبور ہوا، میرے مرنے کے بعد ان کا کیا بنے گا۔یہی سوچ ان کی نفسیاتی کیفیت کو بدلنے کا باعث بنتی ہے اور وہ مایوسی سے ہمت اور امید کی طرف لوٹتے ہوئے جس نفسیاتی کیفیت سے گزرتے ہیں اس کی عکاسی کرتے ہوئے رسوا(10) لکھتے ہیں:

"ساتھ ہی خیال آیا۔گھر جاکے کیا کریں گے۔یہاں سیدھے موتی محل کے پل کی منڈیر سے اپنے کو دریا میں گرادو۔ڈوب مرو۔ناامیدی کی رائے پسند آئی تھی کہ اس کے ساتھ ہی بیوی بچوں کی بے کسی کا خیال آیا۔بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔خیر کچھ نہ سہی۔میرے دم سے بیچاروں کو کسی قدر سہارا تو ہے۔کسی کی آس توڑنا اچھا نہیں ہے۔یہ کیا بوداپن ہے۔"

"میرے دم سے بے چاروں کو کسی قدر سہارا تو ہے" یہی وہ سوچ ہے جو اس کردار کو اپنی اہمیت سے آگاہ کرتی ہے۔یہ سوچ ہی اس کردار کی خودپسندی کا بنیادی جزو ہے۔وہ بڑے بڑے معرکے بھی اسی خودپسندی کے تحت انجام

دیتا ہے اور جب فاقوں میں گھرے بیوی بچوں کا خیال آتا ہے تو بھی اسی سوچ کے تحت کہ میں ہی ان کے لیے سہارا ہوں، اسے خودکشی سے بھی روک دیتی ہے۔

مرزا عابد حسین کی بیوی اس ناول کا اہم نسوانی کردار ہے۔ یہ کردار بہ ظاہر مشرقی تمدن اور مشرقی اقدار کی حامل ایک سیدھی سادی خاتون کا کردار ہے لیکن نفسیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو اس کردار کی پرتیں بھی کھلتی چلی جاتی ہیں۔ عروج کے زمانے میں اس کی سوچ میں وہ تمکنت اور رعب نہیں آتا جو اکثر بیگمات میں آجاتا ہے اور اسی طرح زوال کے زمانے میں وہ ایک وفاشعار خاتون کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی فکر اور سوچ مشرقی ہے اور مشرق ہی اس کے ہاں مثالیت کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ نامساعد حالات میں بھی اس کا شوہر ہی اس کے لیے سب کچھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فاقے کے باوجود اس وقت تک کوئی نوالہ حلق سے نہیں اتارتی جب تک اس کا شوہر گھر نہیں آجاتا۔

رسوا کا ناول "شریف زادہ" مجموعی حوالے سے لکھنؤ کی زوال آشنا تہذیبی صورت حال اور اس کے عناصر، اخلاقی قدروں کی پامالی، ابتذال اور گراوٹ کی تصویر بن کر ابھرتا ہے۔ اس ماحول میں جو تضاد پایا جاتا تھا اس کی عکاسی مرزا عابد حسین کے کردار سے ہوتی ہے، جسے مثالی شخصیت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس ناول میں انھوں نے مقامیت پر خوب زور دیا ہے، یہاں تک کہ ناول کے ناخواندہ کردار بھی مقامی لب و لہجے میں گفتگو کرتے ہیں، تاہم نفسیاتی حقیقت نگاری کے حوالے سے یہ ناول کوئی عمدہ مثال نہیں بن پایا۔ اس میں انھوں نے اگرچہ زوال آشنا تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی عکاسی پر خوب زورِ قلم صرف کیا ہے تاہم اس کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے کرداروں کے نفسیاتی تجزیات سے وہ دامن بچا کر نکلتے رہے ہیں اور کرداروں کے داخلی رویوں، داخلی احساسات اور نفسیاتی الجھنوں کو زیادہ بہتر انداز میں پیش نہیں کر پائے جس کی وجہ سے ایہ ناول کرداروں کے داخلی تضادات اور نفسیاتی مسائل سے تہی دامن دکھائی دیتا ہے۔

رسوا" کی ناول نگاری کو نفسیاتی تناظر میں مجموعی سطح پر دیکھا جائے تو وہ ناول " امراؤ جان ادا" میں ادب او رنفسیات کے رشتے میں جو مضبوطی اور استحکام پیدا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بعد کے ناولوں میں وہ مفقود دکھائی دیتا ہے۔ نفسیاتی حقیقت نگاری کے تحت انھوں نے کرداروں کے داخلی احساسات اور کرداروں کی نفسیاتی الجھنوں کو جس خوب صورت اور مؤثر انداز میں امراؤ جان ادا میں پیش کیا ہے، بعد کی ناول نگاری میں وہ ایسا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے تمام ناولوں میں کرداروں کی نفسیاتی صورت حال اور اس صورت حال کے تحت پروان چڑھنے والے ان کے سماجی

رویوں کی عکاسی ملتی ہے، تاہم وہ امراؤ جان ادا میں ایک حقیقی نفسیات دان کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں کرداروں کے نفسیاتی تجزیے، ادب اور نفسیات سے ان کی بھرپور آگاہی کا ثبوت ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(1) اِسّر، دیوندر، (۱۹۵۶ء) "ادیب کی نفسیات"، مشمولہ، نئی تحریریں-3 ، لاہور، حلقۂ ارباب ذوق، ص ۴۴

(2) اظہر، غلام حسین (اپریل ۱۹۶۹ء) "فرائڈ"، مشمولہ، اوراق، سالنامہ وغالب نمبر، لاہور، ص ۴۲۴

(3) Adler (1965). The individual psychology. In, Theories of Personality (p. 128). Primary sources and Research.

(4) Cudden, J. A. (1991). The Penguin Dictionary of Literary Terms and Literary Theory (3rd ed.). Penguine Books.

(5) Holman, C. H. (1980). A handbook to literature (4th ed.). The Odyssey Press.

(6) خان، ممتاز احمد، (۲۰۱۵ء) اردو ناول : کرداروں کا حیرت کدہ ، لاہور، فضلی سنز، ص ۳۵

(7) اظہر، غلام حسین ، (۱۹۷۵ء) اردو افسانے کا نفسیاتی مطالعہ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، کراچی، مملوکہ سندھ یونیورسٹی، ص ۲۶۸

(8) رسوا، مرزا محمد ہادی، (۲۰۰۸ء)، امراؤ جان ادا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۶۵، ص58

(9) رسوا، مرزا محمد ہادی، (۲۰۰۶ء) ذات شریف، لاہور، الوقار پبلشرز، ص45، ص67، ص54

(10) رسوا، مرزا محمد ہادی (۲۰۱۱ء)، شریف زادہ، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ص34، ص78